ترقی پسند تنقید کے نمائندہ ناقدین

(ڈاکٹر محمد حسن،ڈاکٹر محمد علی صدیقی،ڈاکٹر قمر رئیس، محمد عقیل رضوی)

شکیل حسین

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

شازیہ یاسمین

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

ڈاکٹر حماد رسول

اُستاد شعبہ اُردو بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

Abstract:

Progressive Criticism Gives Urdu Criticism a New Perspective and New Direction Some progressive critics have been vocal in their approach to this approach. This one-sidedness of criticism was the wrong result of the interpretation of progressive criticism, but soon a circle of progressive critics emerged who, with a correct understanding of Marxist thought, led progressive critics out of reactionary thinking, including Dr. Muhammad Ali. Siddiqui, Dr. Mohammad Hassan, Dr. Qamar Raees and Mohammad Aqeel Rizvi are the representative critics who have given a progressive interpretation to progressive criticism in the context of new literary movements, modernity, post-modernity and literary theory with new contexts and theoretical and practical discussions.

Keywords:

Progressive Critics, criticism, new literary movements, modernity, post-modernity, literary theory, theoretical & practical discussions.

ترقی پسند تنقید نے اُردو تنقید کو نیا تناظر اور نئی جہت دی چند ترقی پسند ناقدین کے ہاں اس طریق کار کو برتنے میں ادعائی اور میکانکی انداز نمایاں رہا ہے۔ تنقید کا یہ یک رخا پن ترقی پسند تنقید کی تعبیر کا غلط نتیجہ تھا لیکن جلد ہی ترقی پسند ناقدین کا ایسا حلقہ سامنے آیا جنہوں نے مارکسی فکر کی درست تفہیم کے ساتھ ترقی پسند ناقدین کو رجعت پسندانہ انداز فکر سے نکالا اُن میں ڈاکٹر محمد علی صدیقی، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر قمر رئیس اور محمد عقیل رضوی نمائندہ ناقدین ہیں جنہوں نے ترقی پسند تنقید کو نئی ادبی تحریکوں، جدیدیت، مابعد جدیدیت اور ادبی تھیوری کے تناظر میں نئے سیاق اور نظری و عملی مباحث کے ساتھ جدید تعبیر پیش کی۔

ڈاکٹر محمد حسن مارکسی نظریات کی تعبیر و تشریح کرنے والوں میں نمایاں نام ہیں۔ انہوں نے ادبی سماجیات کو نہ صرف نظریاتی سطح پر متعارف کرایا بلکہ اُردو ادب کی تاریخ پر اس کا اطلاق بھی کیا جو اپنی نوع کا ایک غیر معمولی کارنامہ ہے۔ شب خونی جدیدیت ترقی پسند تنقید اور تحریک کو سوال زد کیا تو مارکسیت اور جدید ترقی پسند تنقید کی تفہیم ڈاکٹر محمد حسن نے نئے سوالات کی روشنی میں کی۔ اپنے مضمون ''نئی ترقی پسندی'' میں نئی ترقی پسندی کی وضاحت کی کہ اس کے معنی ہر گز یہ نہیں ہر نظم یا افسانہ رجائیت کا روپ دھارتے ہوئے حل پیش کرے۔ ترقی پسندی کے معنی یہ ہیں کہ پڑھنے والوں میں سماجی تبدیلی کی صحت مند خواہش بیدار کرے اور اشارے کنائے ہی سے ان میں صحت مند تجسس اور منزل کی خواہش جگائے:

> ''ترقی پسندی ایک نقطہ نظر ایک ہمہ گیر تصور حیات کا نام ہے وہ ایک نقطہ فارمولا یا مذہب نہیں۔ سائنٹفک انداز نظر ہے اور اس انداز نظر سے زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے تجربے کو بھی دیکھا جا سکتا ہے اور سیاسی حکمت عملی کا زاویہ بھی ''۔(۱)

محمد حسن نے جدیدیت کی لایعنی بحثوں میں الجھنے کی بجائے ترقی پسندی کی وضاحت کی اور اسکی اصل غایت کو پیش کیا اور اس نقطہ نظر پر زور دیا کہ سچی جدیدیت ترقی پسندی ہی کے اطراف سے ابھر کر آئے گی لایعنیت سے نہیں۔ مارکسی تنقید کو وہ فن اور زندگی کے باہمی رشتوں کی نگراں قرار دیتے ہیں جو ادب اور زندگی کے ربط باہمی کو نظر میں رکھتی ہے اور ادب زندگی پر اثر انداز ہونے کی کوشش میں زندگی ہی سے اثر لیتا ہے زندگی کو تبدیل کرنے کے عمل میں بہتر طور پر شریک ہونے کے لیے خود کو تبدیل کرتا ہے:

> ''مارکسی تنقید ادب کے دائرے کے اندر رہ کر اُسے ایک نئے تضاد سے آشنا کرتی ہے تخلیقی شہ پارے اور اس کی تنقید یعنی اس کی اندرونی ترتیب بیرونی رشتوں اور مجلس عمل کے مطالعہ کے تضاد سے اور یہی وہ تضاد ہے جو ادب کو بہتر تازہ اور شاداب تر بنانے کا ذمہ دار ہے اس لحاظ سے مارکسی تنقید ہر ادبی منزل کے اندرونی تضاد کو نمایاں کر کے ہر اگلی تخلیق پر اثر انداز ہو کر اپنی تخلیقی آن بان قائم رکھتی ہے اور اس مقصد کو پورا کرتی ہے جو تنقید کا بنیادی مقصد ہے''۔(۲)

محمد حسن ادبی اور زندگی کو سماج کا ناگزیر جزو تسلیم کرتے ہیں فن کی ابدیت اور آفاقیت کو پرکھنے کے لیے سائنٹفک انداز نظر ان کے تنقیدی افکار میں نمایاں ہے۔ مادی نقطہ نظر کی بدولت اشیاء کو ان کی اصل حقیقت اور جوہر کی روشنی میں دیکھتے اور پرکھتے ہیں ادب کی جمالیاتی قدروں کے حامی اور فکر و فن کے امتزاج کے قائل ہیں ان کے متنوع خیالات ور گہری فکر نے مارکسی تنقید میں ہمہ گیری پیدا کی جو ترقی پسند تنقید کی توسیع کی حیثیت رکھتی ہے ادیب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''ادیب محض رپورٹر نہیں وہ محض کیمرہ کی آنکھ یا کیسٹ کارڈ نہیں ہے کہ جو دیکھے یا سُنے اُسے محفوظ کرتا جائے بلکہ اُس کی اپنی داخلی اور تخلیقی حیثیت ہے اور اس میں تخیل کا ایک بڑا حصہ ہے اس لحاظ سے ادب میں پیش کردہ تفصیلات کو تاریخی حقائق کا درجہ دینا اتنا ہی غلط اور گمراہ کن ہوگا جتنا ادب کے فنی پہلو اور اس کی جمالیاتی بصیرتوں کو نظر انداز کرنا''۔(۳)

محمد حسن تنقید نگاروں کو سب سے پہلے ادب کو بطور آرٹ دیکھنے کی تلقین کرتے ہیں اور اس پر آرٹ ہی کے اصولوں کا اطلاق ہوگا۔ شاعر کو کوئی بھی موضوع اور مقصد کیوں نہ ہو اُسے سب سے پہلے اعلیٰ ادبی فن پارہ ہونا چاہیے۔ اگر کوئی فن پارہ اپنے اُن فنی معیارات پر پورا نہیں اترتا تو خواہ وہ موضوعاتی اور مقصدی سطح پر کتنی ہی کامیاب کیوں نہ ہو ادب میں جگہ نہیں پاسکتی آرٹ کا پہلا کام جمالیاتی احساس تسکین ہے۔

ڈاکٹر محمد حسن نے مارکسی ناقدین میں پہلے نقاد میں جنہوں نے ترقی پسند تنقید کی یکساں روی کے ہر خلاف مارکسی تنقید کا نسبتاً ایک روشن خیال تصور قائم کرنے اور اُسے فروغ دینے کی کوشش کی۔ مارکسی تنقید اپنے فکری منابعات میں اقتصادی جبریت، واقعیت نگاری اور ذاتی ترجیحات پر مبنی کسوٹی پر بنیاد رکھتی ہے۔ محمد حسن اقتصادی جبریت کو وسیع ترکلیت کا محض ایک جزو قرار دیتے ہیں کیونکہ جاگیردارانہ معاشرے میں اقتصادیات سے زیادہ سیاست اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اختر الایمان، غالب اور میر انیس پر لکھے گئے مضامین میں انہوں نے تو اقتصادی جبر کو استدلال کی بنیاد بنایا ہے اور نہ واقعیت نگاری کے اسلوب کو کمال سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ مارکس کی طرح موجودات و مظاہرات کو کلیت کی شکل میں دیکھتے ہیں جس میں ہر حقیقت رشتوں کے ایک نظام میں اپنے وجود اور اپنے معانی کا احساس دلاتی ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن عصری تقاضوں اور عصری حقائق کی معنویت پر زور دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک عمومی معتقدات، اقدار فلسفیوں، نظریوں اور اقتصادیات کے پہلو بہ پہلو سیاست کا بھی ایک خاص کردار رہا ہے جسکے ذریعے کسی عہد کے خارجی کردار ہی کو نہیں بلکہ اُس کے باطنی کردار کو بھی خوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

''ادب انسان کی باطنی تاریخ ہے اسی باطنی تاریخ کے تانے بانے سے سماجی زندگی کی ادھوری داستان پوری ہوتی ہے''۔(۴)

محمد حسن کے مطابق ادب کے کیا اور کیوں کا جواب بھی تہذیبی تاریخ کی مدد سے فراہم کیا جاسکتا ہے۔ اُن کی کتاب ''دہلی میں اُردو شاعری کا فکری اور تہذیبی پس منظر'' اُردو تنقید کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جو تاریخ تہذیب، متنوع عقائد لسان اور شعریات کے تعلق سے وہ جوابات مہیا کرتی ہے جن کے سوال ابھی تک اُردو تنقید نے قائم نہیں کیے۔ مغرب میں جارج لوکاچ، تھیوڈور اڈورنو کو اور ریمنڈ ولیمز نے ادب کی سماجیات کو ایک تنقیدی تھیوری کے طور پر تشکیل کرنے کی کوشش کی تھی۔ جس کی نوعیت بین العلومی مطالعے کی تھی اس تھیوری کے تحت ادبی معروضات پر سماجیاتی تصورات موضوعات و مواد کا اطلاق کہا جاسکتا ہے۔ اُردو تنقید میں محمد حسن ادبی سماجیات کے تصور کے بنیاد گزار ہیں۔ وہ اُردو ادب کی

سماجیاتی تاریخ میں تکثریت کی بجائے بین العلومیت کو ترجیح دیتے ہیں۔ تکثریت مختلف طریقہ کار ہائے کا مرکب نہیں بلکہ تکثریت کے تحت ادبی تفہیم میں مطالعے کے مختلف طریقے برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ محمد حسن نے نئی حقیقتوں کے ظہور میں آنے اور عصری تہذیبی تناظرات کو اپنی گفتگو اور تنقیدی مضامین کا حصہ بنایا ہے وہ نو مادیت کی بجائے تہذیبی تاریخیت کے تصور کو فروغ دینے کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد علی صدیقی مارکسی تنقید کے اہم نقاد اور دانشور ہیں۔ محمد علی صدیقی نے ترقی پسند تنقید کا آغاز اس وقت کیا جب پاکستان میں حلقہ ارباب ذوق کی تنقیدی کاوشوں کو ترقی پسند مخالف اور ہندوستان شب خونی جدیدیت ترقی پسندوں کے خلاف ایک محاذ قائم کر چکی تھی، انہوں نے ترقی پسند فکر اور تحریک کو وسیع المطالعہ، کھلے ذہن اور وسیع المشرب فکر کے ساتھ کثیر الجہات بنا دیا انہوں نے جدیدیت، ساختیات اور مابعد جدیدیت پر اُس زمانے میں اپنا تنقیدی منہاج قائم کیا جب اُردو دنیا اور ناقدین ان مباحث سے واقف نہیں تھے۔

محمد علی صدیقی نے نظری مباحث میں ادب اور معاشرے کے تعلق سے نظریہ سازی کی اُن کے نزدیک ادب ایک سماجی عمل ہے۔ ادب کا مزاج جمہوری ہوتا ہے اس کا کسی بھی معاشرت اور ثقافت سے رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔ اُن کے نزدیک ادب زندگی میں در آنے والی تبدیلیوں کو محسوس کرتا ہے ادیب اسی تبدیلی کے وژن کو پہلے محسوس کر لیتا ہے اور اپنے اُس ادراک سے اپنے لوگوں کو شامل کرتا ہے۔ ہر ادیب اپنے عہد کی سچائیوں کو گواہ ہوتا ہے اپنے عہد کی گواہی اسکے تخلیقی عمل میں ظاہر ہوتی ہے۔ جسے اُس کے عہد سے الگ کرتے نہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ جدیدیت اور حلقہ ارباب ذوق کے مناظر میں جب ترقی پسند تحریک اپنی قوت کھو چکی تھی اور جدیدیت کو ترقی پسند اپنا مخالف مان کر یکسر رد چکے تو محمد علی صدیقی نے مغربِ و مشرق کے تناظر میں جدیدیت کے خدوخال کا تجزیہ پیش کیا کہ در حقیقت ترقی پسندی ہی جدیدیت ہے یا جدیدیت ترقی پسندی ہے اُن کے خیال میں انسانی ترقی کا یہ ہزاروں سال کا سفر انسان کے ذہن اور مادے کی مسلسل ارتقاپذیری کا مرہون منت ہے۔ وہ جدیدیت اور ترقی پسندی کو ہم معنی سمجھتے ہیں:

> ”جدید ہونے کا دعویٰ صرف ادب کر سکتا ہے جو سائنسی انکشافات اور تقاضوں پر
> برہم ہونے کی بجائے اُن سے کھلے دل کے ساتھ معاملہ کرے“۔(۵)

محمد علی صدیقی نے جدیدیت کے نام اُردو ادب میں در آمد شدہ اُن نظریات کی اصل بنیادوں کا براہ راست مطالعہ کیا اور ہائیڈگر کی مظہریت اور وٹگنسٹائن کی سائنسی دشمنی کو اپنے پڑھنے والوں کے سامنے عیاں کیا انہوں نے ہائیڈگر کی مظہریات پر قائم موضوعیت پسند فکر کو سائنسی استدلال کے ذریعے بے اثر کیا۔ اِسی طرح انہوں نے مغربی مفکرین کے فرسودہ نظریات کی قلعی کھولی اور رجعت پسند ادیبوں کے یک طرفہ ترجیحات کی نشاندہی بھی کی۔ کروچے کی خود نوشت کو اُردو میں ڈھال کر کروچے کی زندگی اور فکر کو اپنے مبسوط مضمون کے ذریعے واضح کیا۔ اُردو ادب میں کروچے کے نظریہ ”فن برائے فن“ کی

اہمیت دی جاتی ہے جبکہ محمد علی صدیقی نے اس نظریے کے علاوہ کروچے کی زندگی کے آخری ایام کی سیاسی جدوجہد کو اجاگر کیا جس نے اٹلی کو جمہوریت کی راستے اور معاشی توازن برقرار رکھنے پر کوشش کی۔

محمد علی صدیقی کے نزدیک ترقی پسند ماضی شکنی یا کلاسیک ادب کو جاگیر دارانہ سماج کی یادیں کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا وہ روایت کی اہمیت دیتے ہیں اُن کے نزدیک جدلیاتی عمل میں پرانے کا جتنا حصہ جدید میں شامل ہوتا ہے وہ روایت کی تخلیقی آویزش ہے۔ وہ مایا کوفسکی کے حوالے سے لینن کا حوالہ دیتے ہیں۔ مایا کوفسکی جو ماضی کے ادب کو دریابُرد کرنے کی بات کرتے تھے اور لینن نے اُس کے اس نظریہ کو رد کیا اُس کے نظریے کو انتہا پسندانہ اور اس کی تخلیقات کو پراپیگنڈہ ادب کا نمونہ قرار دیا۔ جدیدیت کے بعد انہوں نے ساختیات اور اُس سے پیدا ہونے والے لسانی نظریات پر توجہ مرکوز کی اور اُن کی تفہیم کے لیے بنیادی پیمانہ ترقی پسندی کو بنایا اُن کے نزدیک جو بھی نظریہ انسانی تقدیر کو بدلنے کی بات نہیں کرتا وہ رجعت پسندانہ ہے۔ وہ ساختیات کی منطق کا لایعنی اور تھیوریوں کے مباحث کو مغرب زدگی سمجھتے تھے کیونکہ تھیوریوں کے لیے مغرب میں تو لسانی تجربہ گاہیں موجود ہو سکتی ہیں مگر مشرق میں جہاں شرح خواندگی بہت کم ہے ایسی تھیوریوں کی بات کرنا محض مغرب زدگی ہو گی۔

> ’’خیر سے مغرب میں تو ابھی تک لاطینی گرامر سکول موجود ہیں منطق اور فلسفے کا اچھا خاصا زور ہے اور ساختیاتی فکر کے علما کے پاس اپنی لسانی تجربہ گاہیں بھی موجود ہیں لیکن ہمارے یہاں نہ زبان کی معقول تعلیم کا نظام ہے اور نہ ہی اُس کے متعلقات پر زور ہے‘‘۔(۶)

مابعد جدیدیت کو محمد علی صدیقی گلوبلائزیشن کو تقویت دینے والی تھیوری قرار دیتے ہیں جس کے پس پردہ عالمی مالیاتی کارپوریشنوں کے عزائم کارفرماہیں۔ عالمی مالیاتی کارپوریشنوں نے ہمیشہ دانشوروں کی ذہانت خرید کر اپنے عزائم کے لیے اُن سے نت نئی تھیوریاں وضع کرائی ہیں جو اُن کے ان دیکھے استحصالی نظام کو پوری دنیا بالخصوص تیسری دنیا کے لوگوں کے ذہنوں میں اس طرح راسخ کراتے ہیں کہ وہ اُن کے خلاف مزاحمت نہ کر سکیں۔

> ’’کچھ تنظیمیں ایسی ہیں جن میں (دنیا کے امیر خاندانوں) کے مفادات کے تحفظ کے لیے پالتو دانشور جنہیں Thin Tank معتبر ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے شب و روز سوچ و بچار میں مصروف رہتے ہیں ان کی سوچ و بچار کو مخصوص جرائد میں شائع کیا جاتا ہے ان سے کتابیں لکھوائی جاتی ہیں جن کی وسیع پیمانے پر تشہیر ہوتی ہے تہذیبوں کا تصادم بھی اسی نوعیت کی کتاب ہے‘‘۔(۷)

ڈاکٹر محمد علی صدیقی جدیدیت کی نسبت مابعد جدیدیت کی خامیوں کے ساتھ اس کی خوبیوں کو بھی سراہتے ہیں۔ مابعد جدیدیت ادبی اور ثقافتی سطح پر لچک دار نظریہ ہے۔ وہ جدیدیت پسندوں کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ ان ترقی پسندوں سے

بھی نالاں نظر آتے ہیں جو رجعت پرستی میں مبتلا ہیں یہ ادیب اور نقاد ایسے مغربی مفکرین کے پیروکار ہیں جو بنیادی طور پر یاسیت پسند ہیں۔ انہوں نے ترقی پسند نظریے کی تفہیم یاست پسند مفکرین کے تناظر میں اس طرح پیش کی کہ ترقی پسندوں کا اپنے نظریے پر اعتماد بحال ہو۔

ڈاکٹر محمد علی صدیقی کی تنقید کا اختصاص یہ بھی ہے کہ نظری سطح پر جو کچھ لکھا اُسے عملی تنقید میں پیش کیا۔ اُن کی عملی تنقید کے نمونوں میں شاعری، افسانے، ناول اور کئی نامور تخلیق کاروں کو اپنے تنقیدی عمل کا حصہ بنایا۔ جن میں سرسید، غالب، جوش، اقبال اور فیض احمد فیض پر اُن کے تنقیدی مضامین کی تعداد زیادہ ہے۔ ہم عصر شاعری پر لکھتے ہوئے انہوں نے فیض احمد فیض کی تخلیقی جہات کی متنوع صورتوں پر اپنے مضامین میں بحث کی وہ فیض کے شاعرانہ لہجے کو جادوگری کا حامل قرار دیتے ہیں جس نے سماجی شعور کو کامیابی سے نغمے میں ڈھال دیا ہے۔

> ”فیض کے شعری اسلوب کی مخالفت کا ایک سبب تو صرف اس وجہ ہی سے عیاں ہے کہ فیض نے اپنی فکر کے ساتھ جس اعلیٰ پایہ کی صناعی کو ہم رنگ کیا وہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ فیض کی فکر پر حملہ کیا جا سکتا ہے فیض کی صناعی پر ناک بھوں چڑھائی جا سکتی ہے فیض کی شعری زبان کی جدت طرازیوں پر انگلی اٹھائی جا سکتی ہے لیکن جب یہ تمام اجزا فکر صناعی اور ندرت جوئی بہم ہو کر اپنا Mosaieترتیب دے چکتے ہیں تو پھر سارے حملے بیکار ہو جاتے ہیں“۔(۸)

محمد علی صدیقی نے اُردو شاعری کے ساتھ اُردو افسانے پر بھی معنی خیز مطالعات پیش کیے پریم چند، کرشن چندر، مسعود اشعر، احمد دائود جیسے جدید افسانہ نگاروں کے تخلیقی عمل کا تجزیاتی مطالعہ پیش کر کے نئے گوشے وا کرتے ہیں۔ اپنے کچھ مضامین ادبی تاریخ نیم روشن گوشوں پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ غالب، سرسید، اقبال اور جوش پر اُن کی کتب انیسویں صدی کے آخری نصف اور بیسویں صدی کے سیاسی تہذیبی اور ادبی مزاج کی تفہیم میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ محمد علی صدیقی اپنے تنقیدی افکار کی بدولت ترقی پسند تنقید کی صف اول کے نقاد ہیں۔ اُن کے افکار کو ترقی پسند حلقے میں معتبر ہونے کے علاوہ غیر ترقی حلقوں میں بھی سنجیدہ اور اہم گردانا جاتا ہے۔

قمر رئیس اُردو ادب میں پریم چند کے ماہر اور ترقی پسند نقاد کی حیثیت سے روشناس ہوئے۔ اپنے وسیع مطالعے عمیق غور و فکر اور ادبی ذوق کی بدولت ترقی پسند تنقید کا دائرہ وسیع کیا۔ مارکسی نقطہ کے حامل ہونے کے باوجود شعر و ادب کی تفہیم وہ تمام وسائل جو بروئے کار لائے جا سکتے ہیں اُن کو نظر انداز نہیں کیا۔ ترقی پسند تنقید کو اعتدال کی راہ دکھائی اور سائنٹفک تنقید کو فروغ دیا۔ ادب کی تخلیق اُن کے نزدیک سماجی فعل ہے اور ادب ہی سماجی حقیقت کے اظہار کا ذریعہ ہے۔

> ”میرے نزدیک ہر ادبی تخلیق خواہ وہ کسی باطنی تجربے یا داخلی کیفیت کا اظہار ہو اور اس کا پیرایہ بیان کتنا ہی نازک اور تہ در ہو کسی نہ کسی سماجی صورتحال کا عکس

ہوتی ہے اور صرف عکس ہی نہیں وہ اس پر تبصرہ بھی ہوتی ہے اس کی تفسیر بھی تنقید بھی"۔(۹)

شعر و ادب کی قدر و قیمت کے تعین میں مارکسی تنقید کو سب سے زیادہ آمد قرار دیتے ہیں۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ادب نہ نوائے سروش ہے نہ نصابِ اخلاق مگر اس کی جڑیں سماج میں پیوست ہیں۔

"مارکسی تنقید کے طریق کار کو عصر حاضر کے دوسرے تنقیدی رویوں یا نظریوں کے مقابلے میں زیادہ محیط کارگر نتیجہ خیز۔ علمی یا معروضی سمجھتا ہوں اس لیے مارکسی تنقید کے تعلق سے میری تنقید کی پاسداری نہ سہی پسندیدگی کا رویہ ضرور ملے گا"۔(۱۰)

ترقی پسند تحریک ایک عہد میں ناقدین نے شعر و ادب کی تفہیم میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑا تو قمر رئیس نے اس عہد میں ترقی پسند خیالات میں اعتدال و توازن کا دامن نہیں چھوڑا قمر رئیس اس حوالے سے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ مارکسزم نے جہاں ادبی تنقید کو نیا تناظر اور نئی جہت دی وہاں اس کے طریق کار کو برتنے میں ادعائی اور میکانکی انداز بھی نمایاں رہا ہے۔ صرف ہندوستان میں اُردو کی ترقی پسند تحریک ہی نہیں بلکہ بعض سیاسی ضرورتوں اور وقتی عوامل کے زیر اثر مغرب میں بھی مارکسی تنقید میں انتہائی پسندی اور میکانکیت کا عنصر نظر آتا ہے۔

"یہ صحیح ہے کہ ابتدا میں پیلخانوف، چیرتی شیوسکی، گورکی یہاں تک کی ٹراٹسکی اور لینن جیسے مفکروں اور ادیبوں نے ادب پر مارکسی تصورات کے اطلاق میں ضبط و توازن کے ساتھ علمی انداز اختیار کرنے کی کوشش کی اور جو نتائج اخذ کیے وہ گہری معنویت کے حامل ہیں لیکن اس صدی کے چوتھے اور پانچویں دہے میں بعض سیاسی ضرورتوں اور وقتی عوامل کے زیر اثر مارکسی تنقیدی رویے میں انتہا پسندی اور میکانکیت کا عنصر بڑھتا گیا۔ پیلخانوف نے اپنی تحریروں میں فن اور ادب کے تخلیقی سرچشموں اور جمالیاتی قدروں کے مطالعے کا جو معروضی لیکن محنت طلب طریق کار بنایا تھا جو مارکسی تنقید کی بنیاد تھا اسے جلد ہی نظر انداز کر دیا گیا"۔(۱۱)

قمر رئیس کے مطابق مارکسی تنقید کا یہ یک رخا پن مارکسی فکر کی تعبیر کا غلط نتیجہ تھا لیکن ترقی پسند ناقدین کا بہت جلد ہی ایسا حلقہ سامنے آیا جس نے مارکسی فکر کی درست تفہیم پیش کی اور ترقی پسند ناقدین کو رجعت پسندانہ انداز فکر سے نکالا اور قدیم ادبی سرمائے کو قدر و منزلت سے دیکھا۔ وہ سجاد ظہیر کے اختلاف کو جو انہوں نے "غزل کو گردن زدنی" پر کیا اُن کے متوازن

نظریے کو سراہتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی پر مجنوں گورکھپوری غالب کی شاعری پر ممتاز حسین، سر سید پر احتشام حسین کے تنقیدی مضامین کو متوازن ترقی پسند تنقید کی امثال میں پیش کرتے ہیں۔

مارکسی تنقید کو اس رجعت پرستانہ روش کی ذمے داری اس نظام تنقید پر نہیں بلکہ ان ناقدین پر ہے جنھوں نے اشتراکیت کی تبلیغ کے جوش میں ادب کو محض نعرہ بنانے کی کوشش کی۔ لیکن عہد حاضر میں مارکسزم کا اطلاق ماضی کی نسبت آج زیادہ کشادہ ذہنی سے کیا جارہا ہے اور سوشلسٹ ملکوں کی ادبی تنقید میں نہ وہ پہلی سے ادعائیت ہے نہ کلیشے کا کثیر استعمال اور نہ ہی نظریات کی گرفت میں شدت، مارکسی نقاد اب شاعری کے مطالعے میں تخلیقی اظہار کی باریکیوں، امیجری اور لفظوں پیکروں کی تہہ داریوں کی طرف خاطر خواہ توجہ کرنے لگے ہیں۔ قمر رئیس ادب کو غیر ارضی اور الہامی شے نہیں مانتے جو مادی زندگی سے کوئی علاقہ نہ رکھتا ہو۔ ان کے نزدیک وہ ادب بے وقعت ہے جو زندگی کو سنوارنے اور اسے بہتر بنانے کا آرزومندانہ ہو۔

> ''آج یہ تصورات فضا میں تحلیل ہو چکے ہیں کہ ادب مقصود بالذات ہے یا اس کی غایت محض ذوق جمال کی تشفی ہے یا یہ کہ بدلتی ہوئی زندگی اور اس کے مسائل سے ادب بے تعلق ہو تا ہے اب اس سچائی کا اعتراض عام ہو گیا ہے کہ ادب ہر عہد کی سماجی، ذہنی اور جذباتی کشمکش کا آئینہ دار ہو تا ہے''۔(۱۲)

ڈاکٹر قمر رئیس ترسیل و ابلاغ کو ادب کے لیے ضروری خیال کرتے ہیں وہ ادب جو قاری کی سمجھ نہ آسکے ان کے نزدیک اس کا وجود وعدم برابر ہے۔ انہیں یہ شکایت نئی نسل کے ادیبوں سے ہے جنھوں نے قاری کو نظر انداز کر دیا ہے۔ نقاد کو بھی وہ نئے ادب کا مطالعہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور اُن کی ذمہ داری ہے کہ ادیبوں کی صف میں جو بہروپیے شامل ہو گئے ہیں اُن کی نشاندہی کرے توضیح و تشریح سے نئے ادب کو قاری کے لیے قابل فہم بنائے ہر نئی کاوش کو مبہم اور مہمل قرار دے کر رد نہ کرے بلکہ ایمانداری کے ساتھ کھرے اور کھوٹے میں فرق کرتے ہوئے ادب اور غیر ادب کو الگ کرے۔ عملی تنقید میں ناول و افسانہ قمر رئیس کا پسندیدہ موضوع ہے۔ نثر و نظم کی دوسری اصناف پر بھی اُن کے مضامین ملتے ہیں۔ افسانہ نگاروں میں بلونت سنگھ، رام لعل، اقبال مجید، اقبال متین، جیلانی بانو جدید حسیت والے جوگندر پال، انور عظیم جیسے جدید افسانہ نگاروں کے نئے موضوعات اور نئے اسلوب کو سراہتے ہیں۔

پریم چند کی ترقی پسندانہ تفہیم کے ساتھ سجاد ظہیر کے ناول لندن کی ایک رات، علی پور کا ایلی ممتاز مفتی، قراۃ العین حیدر ناولوں پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ترقی پسند ناول عصر حاضر کی پیچیدہ زندگی اور بدلتی ہوئی حقیقتوں کی ترجمانی کا فریضہ انجام نہ دے سکا ساتھ میں افسانہ کے حوالے سے کہ اگر افسانہ بندھے ٹکے اصولوں سے ہٹ کر شعر کے قریب آیا تو اُسے کون روک سکے گا۔ قمر رئیس ادب کی داخلیت، خارجیت اور عصریت پر یکساں زور دیتے ہیں اُن کے خیال میں تنقید کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ادیب کے سماجی رویے اس کے گرد و پیش کے حالات، سماجی حقیقتوں اور قدروں کی تبدیلی کے قوانین کو سامنے رکھ کر ادب کی اقدار کا تعین کرے۔

جدیدیت کے رجحان کی ابتدا اور ترقی پسند فکر پر نقطہ نظر کے تناظر میں ترقی پسند نظریے کے دفاع اور اس کی اہمیت کا احساس دلانے والوں میں ایک اہم نام سید محمد عقیل رضوی کا ہے۔ جدیدیت کی تحریک کو اُردو ادب میں ترقی پسند نقطہ نظر کی ضد کے طور پر ثابت کیا گیا جس نے ترقی پسند نظریات کی شدت سے نفی کی۔ مارکسی نظریے کی دو حصوں میں تقسیم اور بڑے ہوئے ترقی پسند اپنوں کی بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے (شب خونی جدیدیت) جدیدیت کی تحریک میں شامل ہو گئے اگرچہ بعض ادیبوں نے جدیدیت کو ترقی پسندی کی توسیع قرار دے کر اختلافات کم کرنے کی کوشش کی لیکن اس نقطہ نظر کو عام ادیبوں نے تسلیم نہیں کیا۔ مذکورہ تناظر میں ترقی پسند نظریے کو نئے سیاق اور نظری و عملی مباحث کے ذریعے جدیدیت کے طرف سے اٹھائے گئے۔ اعتراضات کے جواب میں سید محمد عقیل انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ترقی پسند نظریہ جس پر مارکسی فکر کا سیاسی پہلو، فن پارے کی تفہیم اور تعین قدر میں پیداواری رشتوں اور طبقاتی کشمکش نے زیادہ اہمیت حاصل کر لی تھی سید محمد عقیل نے ادب کا مطالعہ ثقافتی اقدار اور ادبی جمالیات اور شخصیت کی روشنی میں پیش کیا۔

> ''کیا وہ ادب جو محض ادب اور فن پر یقین رکھتا ہے اور کسی تجزیہ سماجی شعور ور سیاسی آگہی سے اپنا کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا وہ ادب کے خانے میں رکھا جا سکتا ہے؟ ہمارے خیال میں وہ بھی ادب کا ایک حصہ ہے کیونکہ انسانوں کی ایک مختصر جماعت ہی سہی (جو) اس کی دلدادہ ہے لیکن ترقی پسند تنقید نگار اگر ایسے ادب کا جائزہ لیتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس کا بھی جائزہ لینا چاہیے تو اسے ادب اور فن کو ایک اچھی کسوٹی پر کسنا چاہیے اور پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کا کتنا حصہ تاریخ بن چکا ہے اور کس میں تحریک اور جدلیت کی نشانیاں ملتی ہیں''۔ (۱۳)

اس طرح عقیل رضوی جدیدیت کے رجحانات اور فکر کے تناظر میں تخلیق پانے والے ادب کو رد کرنے کی بجائے اس پر غور و فکر کرنے تلقین کرتے ہیں۔ انہوں نے ترقی پسندی کے حوالے سے وقت کی تبدیلی کے ساتھ نئ ترقی پسندی کی راہیں ہموار کی۔ ادب جو کسی جامد شئے کا نام نہیں وہ تہذیبی اور ثقافتی تبدیلیوں کے ساتھ بدلتا رہتا ہے سماجی و ثقافتی تبدیلیوں کی وجہ سے ادب میں تبدیلی آنا لازم ہے یہی زندگی کا ادب سے وابستگی کا ثبوت ہے۔

عقیل رضوی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ کچھ ترقی پسند ناقدین نے ادب کے لیے چند بندھے ٹکے اصول وضع کر لیے تھے ادیب کو مشروط آزادی کے ساتھ ایک مخصوص لائحہ عمل کے تحت چلانے پر زور دیتے تھے لیکن ترقی پسندی پر اُن کے اس اصول کا دور گزر چکا ہے۔ عقیل رضوی کھلے ذہن کے ساتھ دوسرے نقطہ ہائے نظر کے بارے میں غور و فکر کرنے کے بعد نئے رجحانات کو قبول کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ وہ جدیدیت کا نیا رجحان ہو یا ترقی پسندی کا نیا رویہ وہ انہیں اپنے ادب کی صحت مند اقدار کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ عملی تنقید کے اصول و مسائل، غزل، قصیدہ اور مرثیہ اور افسانہ پر عملی تنقیدی مباحث اُن کی کتاب ''عملی انتقادیات'' اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عملی تنقید کی تمام ہُنر مندی متن پر مبنی (Text Based) ہے کم سے کم میں
جس عملی تنقید کا موید ہوں وہ اپنی بنیادیں متن میں رکھتی ہے"۔(۱۴)

عقیل رضوی نے متن کے مطالعے میں لسانی اور تہذیبی طاقتوں کے اثرات کے سلسلے میں کئی بنیادی سوال اٹھائے ہیں ان سوالوں کا جواب وہ مغربی و مشرقی ناقدین کے نقطہ نظر کی روشنی میں دیتے ہیں۔"مرثیے کی سماجیات" عقیل رضوی کے تنقیدی نظریات کی تفہیم میں اہم کتاب ہے۔اس بات سے انکار نہیں کہ مرثیہ ایک تاریخی واقعہ کا شعری اظہار ہے اور ہر عہد کے شعرا نے اس واقعہ کو اپنے انداز میں پیش کیا۔ مرثیہ نگار

مورخ نہیں اس نے واقعہ سے چند حقائق لیے اور کہانی کے تانے بانے بنتے ہوئے عقائد، توہمات اور رسم ورواج اپنے عہد کی مروجہ اقدار سے اخذ کیے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ دکنی مرثیوں اور دہلی کے مرثیوں میں تہذیبی اور ثقافتی اختلافات کے ضمن میں بیان کی گئی تفصیلات میں نمایاں فرق ہے۔

"فضلی سودا اور میر نے جس طرح اپنے مرثیوں میں شادی بیاہ برات، سمدھیانے
عروسی اور بیوگی کی رسمیں نظم کی ہیں۔ انیس و دبیر کی تہذیب اور اُن کے سماج
میں وہ طریقے بدل گئے ہیں ان کے بعد مزید تبدیلی آئی۔ مرثیے کے اس تبدیل
ہوتے ہوئے سماجی اور تہذیبی ڈھانچے کو سمجھنا بھی مرثیوں کی تنقید میں ایک اہم
طریق کار ہے"۔(۱۵)

عقیل رضوی ابتدائی مرثیے کے نمونوں سے لے کر جدید مرثیہ گویوں کے کلام میں ان کے عہد کے تہذیبی و ثقافتی عناصر کو تلاش کرتے ہیں۔ اُردو مرثیہ جو واقعہ کربلا کا ادبی اظہار ہے ہندوستانی جغرافیہ اور تہذیب کا اس سے کوئی تعلق نہیں لیکن جب ہندوستان کے شعرا اس واقعے کو موضوع سخن بناتے ہیں تو موضوع میں سوگواری، اداسی اور غم پیدا کرنے اُسے پُر اثر بنانے کے لیے ہندوستانی مقامی مجلسی ثقافت عناصر کا سہارا لیتے ہیں۔

"حاتم نے اپنی مثنوی گلشنِ گفتار میں جہاں مرثیے کا رنگ پیدا کیا ہے ایک شعر یوں نظم کر دیا ہے:

خدا کے نور کا متھ کر سمندر
یہی چودہ رتن کاڑھے ہیں باہر

جسے بھی امرت منتھن کا واقعہ معلوم ہے وہ حاتم کے اس کمال کا معترف ہو گا کہ
انہوں نے کس خوبصورتی سے ہندو میتھالوجی کو اسلامی رنگ دے کر مرثیہ جیسی
صنف میں سمو دیا ہے"۔(۱۶)

مذکورہ اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی عہد کے تہذیبی و ثقافتی اثرات ادب میں کس طرح لاشعوری طور پر داخل ہوتے ہیں اور وہ تخلیقی فکر میں سرایت کر کے تخلیقی جمالیات کا حصہ بن جاتے ہیں۔ سید محمد عقیل کا تنقیدی نقطہ نظر تاریخی اور

سماجی ہے ادب و فن کا تجزیہ کرتے ہوئے وقت، اس عہد کے تاریخی، سماجی اور تہذیبی عوامل پر نظر رکھتے ہیں جس عہد میں وہ ادب وجود میں آیا اس کے ساتھ زندگی کی بدلتی ہوئی اقدار سماجی تصور اور اس عہد کے نظریات و تصورات، اُن کی تبدیلی شکست وریخت کے نتائج پر نظر رکھتے ہوئے جمالیاتی شعور کا بھی احساس رکھتے ہیں۔ ادبی تفہیم اور تعین قدر میں نئی ترقی پسندی اور اُردو تنقید میں نئی جہات کے چراغ روشن کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ محمد حسن، ڈاکٹر، جدید اُردو ادب، (لکھنؤ: نصرت پبلشرز، ۱۹۷۷ء)، ص۹۱

۲۔ محمد حسن، ڈاکٹر، ادبی تنقید، (لکھنؤ: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۵۴ء)، ص۳۶

۳۔ محمد حسن، ڈاکٹر، ادبی سماجیات، (دہلی: مکتبہ جامع لمیٹیڈ، ۱۹۸۳ء)، ص۱۷

۴۔ محمد حسن، ڈاکٹر، دہلی میں اُردو شاعری کا فکری و تہذیبی پس منظر، (لکھنؤ: اترپردیش اُردو اکادمی، ۱۹۹۹ء)، ص۷

۵۔ محمد علی صدیقی، ڈاکٹر، توازن، (کراچی، ادارہ عصر نو، ۱۹۷۶ء)، ص۱۹

۶۔ محمد علی صدیقی، ڈاکٹر، جہات، (کراچی: ارتقا مطبوعات، ۲۰۰۴ء)، ص۳۰

۷۔ محمد علی صدیقی، ڈاکٹر، مضامین، (کراچی: ادارہ عصر نو، ۱۹۸۱ء)، ص۲۱۲

۸۔ ایضاً، ص۲۲۱

۹۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، تلاش و توازن، (دہلی: ادارہ خرام پبلی کیشنز، ۱۹۶۸ء)، ص۵

۱۰۔ ایضاً، ص۸

۱۱۔ قمر رئیس، مارکسی تنقید رجحان اور رویے، مشمولہ: ترقی پسند جدیدیت، مابعد جدیدیت مرتب: ڈاکٹر ندیم احمد، (دہلی: بھارت آفیسٹ، ۲۰۰۲ء)، ص۱۰۹

۱۲۔ ایضاً، ص۱۱۳

۱۳۔ سید محمد عقیل، تنقید اور عصری آگہی، (الہ آباد: انجمن تہذیب نو، ۱۹۷۶ء)، ص۱۶۷

۱۴۔ سید محمد عقیل، عملی انتقادیات، (لکھنو: نصرت پبلشرز، ۱۹۹۰ء)، ص۱۱

۱۵۔ سید محمد عقیل، مرثیے کی سماجیات، (لکھنؤ: نصرت پبلشرز، ۱۹۹۳ء)، ص۱۱۴

۱۶۔ ایضاً، ص۱۱۵